© rasailojaraid.com

مرتب: سید محمد کفیل بخاری

افادات: امام اہلِ سنّت، جانشین امیر شریعت، حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

میری کہانی

جانشین امیر شریعت امام اہل سنت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ، پاک و ہند کے جیّد عالم دین، محقق اور فقیہ تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نوّر اللہ مرقدہٗ کے بقول:

’’مولانا سید ابوذر بخاری، اس وقت پاک و ہند میں علم اسماء الرجال کے امام ہیں۔‘‘

آپ ۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ / ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے اور ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ / ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ملتان میں انتقال ہوا۔ اپنے عظیم والد ماجد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے سوانحی حالات، علمی و تحقیقی کارناموں، خطابتی معرکوں اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے اور یہ اُن کی شخصیت کا ہم پر حق بھی ہے۔ جسے ہم ان شاءاللہ کسی دوسری اشاعت میں پیش کریں گے۔ ذیل میں مختلف دینی اجتماعات میں اُن کے خطبات سے چند اقتباسات ’’میری کہانی‘‘ کے عنوان سے مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔ (مدیر)

میرے استاد، جن سے میں نے قرآنِ کریم حفظ کیا، حافظ شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ اُن کا نام تھا۔ قصبہ علی آباد ضلع بارہ بنکی (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ کبھی اُن کا موڈ ہوتا نصیحت کا تو فرمایا کرتے:

’’بچہ! یاد رکھنا ہمارے ہاں محاورہ معروف ہے، قاضی کے چوہے بھی سیانے۔‘‘

مطلب یہ کہ ماحول پر اثر پڑتا ہے شخصیت کا۔ اگر ایک جگہ کوئی عالم بیٹھا ہے تو علم کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اُس عالم کے ماحول میں کچھ علامات و آثار علم کے ظاہر ہوں۔ علم کے فطری تقاضا کا کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور ہوگا۔

اللہ کا فضل ہے۔ ماں باپ کے خون کا اور ماں کے دودھ کا اثر ہے۔ مجھے اپنی تین سال کی عمر کی سب باتیں زبانی یاد ہیں۔ اب بھی بتا سکتا ہوں کہ کس واقعہ اور تقریب کے وقت موسم کیسا تھا؟ دن کا وقت تھا یا رات کا وقت تھا؟ واقعہ کہاں ہوا؟ آدمی کون تھا؟ یہ بھی یاد ہے کہ میں ابھی باضابطہ پڑھتا نہیں تھا۔ اماں جی کی خدمت میں ہی ہوتا تھا، ماموں نگران تھے اور ابا جی رحمۃ اللہ علیہ حسبِ معمول ریل اور جیل میں ہوتے تھے اور لمبے لمبے وقفہ کے بعد اُن کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ محلّہ کی کم از کم چالیس پچاس لڑکیاں اماں جی کے پاس قرآن مجید پڑھتی تھیں۔ میں چھوٹا سا تھا اور اُن بچیوں کی جماعت میں اماں جی کے پاس بیٹھا رہتا۔ چھوٹا سا مکان تھا کرایہ کا۔ اُس کی اوپر والی منزل میں مشرق سے مغرب یعنی دائیں طرف کچا فرش تھا چند گز کا اور بائیں طرف تھوڑا سا پختہ فرش تھا۔ ایک کوٹھڑی، ایک کمرہ۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ یہی کل کائنات تھی۔ پانچ روپے کرایہ اُس دور میں بڑی چیز سمجھی جاتی تھی۔ تو اماں جی اس شمالی کچے چھوٹے سے صحن کی دیوار سے ٹیک لگا کر لڑکیوں کو بیٹھ کے سبق پڑھایا کرتی تھیں۔ چرخے سے ’’سوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاتنے'' یا ''اِزار بند'' بننے کا کام ساتھ ساتھ کیا کرتی تھیں۔ بچیاں پڑھتی تھیں۔ میں بیٹھا ہوا مٹی سے کھیل رہا ہوں، یا گیٹیوں سے کھیل رہا ہوں، تو مجھے اتنا ہوش ہے کہ لڑکیاں اگر قرآن غلط پڑھتیں میں ٹوک دیتا۔ یہ صرف ماں کی طرف سے میری بالکل ابتدائی زبانی تعلیم کے لیے اُن کی معیت اور مُصاحبت اور اُن کے پاس بیٹھنے کا اثر تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بغیر پڑھے ہوئے صرف اماں جی سے سن سن کر **الحمد للّٰہ رب العالمین** سے لے کر دوسرے پارہ کے دوسرے پاؤ کے آغاز میں **لیس البرّ** تک مجھے اس وقت بھی زبانی یاد تھا۔ جہاں کسی بچی نے غلط پڑھا میں ٹوک دیتا۔ اب بھی مجھے یہ واقعہ یاد ہے کہ ایک روز اسی طرح عصر کے وقت اماں جی چرخے کا کام کر رہی تھیں، بچیاں پڑھ رہی تھیں اور میں زبانی پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھیل رہا تھا۔ دو بچیاں خاص طور پر ذرا اونچی آواز کے ساتھ اپنا آموختہ پڑھ کر سبق یاد کر رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک نے پہلے پارہ کے پاؤ میں آموختہ پڑھنا شروع کیا تو میں نے اس کو ٹوکا۔ اور ساتھ ہی میں نے کہا: ''اماں جی! یہ ''یٰبَنِیۡ'' کو گڑ بڑ کر رہی ہے۔'' یہ پہلی یٰبَنِیۡ کے بجائے دوسری یٰبَنِیۡ پڑھ رہی ہے۔'' مجھے اب تک یاد ہے۔ یہ قریباً میری تین چار برس کی عمر کی بات ہے۔ اب میں نے کوئی دو سال ہوئے، پھر اماں جی سے پوچھا کہ آپ مجھے یہ بتائیں۔ حفظ تو میں نے باضابطہ ۱۹۳۴ء میں شروع کر لیا تھا اور اس وقت آپ کے پاس میں نے کتنا پڑھا تھا، مجھے تو سوا پارہ یاد ہے، تو فرمانے لگیں: ''تمھیں یاد نہیں تم نے پانچ پارے مجھ سے بیٹھے بیٹھے یاد کر لیے تھے۔'' یہ ماحول کا اثر تھا۔

حجۃ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا، میرا بچپن تھا اور تقریباً سات برس عمر تھی۔ ان کے بارے میں ابا جی کی زبان سے سنا ہوا یہ جملہ اب تک یاد ہے، فرماتے:

''بیٹا تمھیں کیا بتاؤں کہ شاہ صاحب کیا تھے۔ صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا، انور شاہ پیچھے رہ گئے۔''

علامہ انور شاہ جیسا عالم ربانی اب کہاں ملے گا؟ اگر پروردگار، علماء دیوبند کو دوبارہ زندہ کرے تو وہ قبروں سے اٹھ کر بتائیں گے کہ ہم سے کیا دولت چھن گئی۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، صدیوں بعد ایسا آدمی آیا کہ آئندہ صدیوں تک اُس جیسے کی اُمّید نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ جیسے علماء کا قول یہ تھا کہ:

''پانچ سو سال پہلے ایسا عالم نظر نہیں آتا اور پانچ سو سال بعد تک اس کی اُمید نہیں۔''

مَا مِنۡ رِسَالۃٍ وَ لَا کتابٍ فی اَیّ فَنٍّ اِلَّا ھُوَ فِیۡ عِلمِہٖ وَ لَہٗ نَظَرٌ علیہِ.

کوئی بات آپ پوچھ لیں، کسی فن کا مسئلہ پوچھ لیں، کتاب کا نام، صفحہ، سطر اور جانب سب کچھ بتا دیتے۔ یعنی سب کچھ انھیں حفظ تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ:

''حضرت انور شاہ صاحب تو ہمارا چلتا پھرتا کتب خانہ تھا۔''

یہ اُن کا ظاہر تھا اور باطن کیا تھا؟ کوئی پوچھنے والا ہو تو حضرت مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ سراجیہ کندیاں والے) سے پوچھے۔ مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ سے پوچھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمدللہ! ان بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی جنھیں علماءِ حق صرف سمجھتا نہیں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ واقعی علماء حق تھے۔ اے کاش حضرت انور شاہ کی بھی زیارت نصیب ہو جاتی۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند آنے سے پہلے حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ''مدرسہ امینیہ'' دہلی میں مدرس تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو علماء ہند کہا کرتے کہ: ''یہ ابوحنیفۂ وقت ہے'' ساڑھے چار فٹ قد، کالا رنگ، ہمیشہ مسکراتا چہرہ، پھول دار ٹوپی، چھوٹی موہری کا پاجامہ، انگرکھا، کرتا، مونڈھے پر رومال، بول چال میں وقار، تعلیم و تدریس اور افتاء کی مسند پر بیٹھیں تو ابوحنیفہ کی روح اس کو مبارک باد دے۔ علم اور تقوے میں ایسا بے مثال کہ انور شاہ بھی جس کا اعتراف کرے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (الفاطر: ۲۸) ''اللہ سے ڈرتے وہی ہیں، اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔''

مجھے دو تین دفعہ حضرت مفتی صاحب کی زیارت نصیب ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں مجلس احرار کی تحریک کشمیر میں وہ گرفتار ہو کر ملتان سنٹرل جیل میں قید تھے۔ والد ماجد حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد سعید دہلوی، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفکر احرار چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر رحمہم اللہ اور ہندوؤں میں ''پنڈا لال پریم'' یہ پورا گروپ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ قید تھا۔ حضرت مفتی صاحب علم و حلم، فکر و تدبر، صبر و شکر اور جرأت و شجاعت کا پیکر تھے۔

میرے مرشد، میرے خاندان اور میری جماعت احرار کے مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے گئے تو حضرت انور شاہ کشمیری پر جوانی کا عالم تھا۔ حضرت رائے پوری فرمایا کرتے کہ:

''میں تو سمجھتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب خالی مولوی ہیں۔ لیکن جب اُن کے حجرہ میں گیا تو حضرت شاہ صاحب چشتی سلسلہ کا ذکرِ دوضربی کر رہے تھے۔ ''اللہ'اللہ، اللہ'اللہ'' تو معلوم ہوا کہ یہ تو صوفی بھی ہیں۔''

میرے استاذ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ:

''میں نے بھی اُس دور میں حضرت انور شاہ کی زیارت کی ہے جب وہ مدرسہ امینیہ میں پڑھاتے تھے۔
شاہ صاحب تو شاہ صاحب تھے اُن کیا بات ہے۔''

(جامعہ قادریہ رحیم یار خان میں علماء و طلباء سے خطاب، ۳۰ر محرم ۱۴۱۱ھ، ۲۳ر اگست ۱۹۹۰ء)

جامعہ خیر المدارس میری مادرِ علمی ہے جس کی گود میں سات برس تک میں نے علم حاصل کیا۔ دو سال مدرسہ نعمانیہ امرتسر اور سات سال مدرسہ خیر المدارس جالندھر اور ملتان میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء میں والد ماجد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مجھے لے کر خیر المدارس جالندھر پہنچے اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ (خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الاُمّت اشرف علی تھانویؒ) کی خدمت میں تعلیم و تربیت کے لیے مجھے پیش کر دیا۔ تب حضرت الاستاذ نے فرمایا:

''شاہ جی! آپ کا یہ بیٹا ہمارے پاس ہی آنا تھا۔ یہ کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ میں اور میری اہلیہ ایک عرصے سے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ: ''یااللہ! شاہ جی کا یہ بیٹا ہمیں دے دے۔ ہم اس کو دین پڑھائیں گے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمدللہ کم وبیش ستائیس برس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ زندگی کا بہترین اور بہت بڑا حصہ اس عدیم النظیر محسن و مربی کی معیت میں گزرا۔ ابا جی کی شدید خواہش اور حضرت الاستاذ کے حکم پر دو سال خیر المدارس ملتان میں پڑھایا بھی۔ اُن کی نگرانی اور دعاؤں کے سائے میں تدریس کی یہ بھاری ذمہ داری ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پانچ سال اپنے قائم کردہ مدرسہ احرار الاسلام ملتان میں موقوف علیہ، جلالین ومشکوٰۃ تک کتب پڑھائیں۔ لیکن سمجھا یہی کہ ساری عمر سیکھنا ہی سیکھنا ہے، سکھانا کچھ نہیں۔

بعض اوقات حضرت الاستاذ درس گاہ کے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر میرا درس بھی سنتے، مجھے معلوم ہوتا تو استاد کا خوف طاری ہو جاتا کہ تدریس کی کسی غلطی پر ڈانٹ نہ پڑ جائے لیکن یہ اُن کا فیضانِ نظر تھا کہ تعلیم کے بعد تدریس کے امتحان میں بھی سرخرو ہوا۔ حضرت نے دعائیں دیں اور تحسین فرمائی۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ میرے شفیق استاد اور محسن و مربی تھے۔ استاد موجود ہو تو اپنا علم اس کے سامنے پیش کرنا چاہیے تاکہ غلطی کی اصلاح ہو سکے۔ حضرت الاستاذ کی زندگی میں جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی تو میں نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اشکال پیش کیا اور اُن سے خوب استفادہ کیا۔ کوئی اُن کو میرے بارے میں غلط باتیں منسوب کر کے پہنچاتا تو وہ خود مجھے طلب فرما لیتے اور میری وضاحت پر جھوٹ کا پول کھل جاتا۔ جھوٹے مخبر شرمندہ ہوتے اور انھیں دوبارہ ایسی حرکت کی جرأت نہ ہوتی۔ الحمدللہ! حضرت الاستاذ کے سامنے اپنے کسی قول و فعل پر کبھی شرمندگی نہیں ہوئی۔ خیر محمد سے ہمیشہ دعاءِ خیر ملی۔ (خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان،۱۹۸۲ء)

خیر المدارس کے سہ روزہ سالانہ جلسے میں ابا جی کی طرح مجھے بھی آخری رات اور آخری نشست سے خطاب کا حکم فرماتے۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (رحمہم اللہ) جیسے جید علماء ومفسرین اور خود حضرت الاستاذ کی موجودگی میں مجھے اُن کے حکم کی تعمیل میں تقریر کے امتحان سے بھی گزرنا پڑا۔ یہ اُن کی شفقت و بندہ پروری تھی کہ مجھ ایسے اپنے ایک شاگرد کو ”فصیح البیان“ کے خطاب سے نوازا۔

ایک مرتبہ خیر المدارس کے جلسہ منعقدہ عام خاص باغ ملتان میں ابا جی اور حضرت الاستاذ کی موجودگی میں تقریر کے مشکل ترین امتحان سے بھی گزرنا پڑا۔ ایک طرف خطیب الاُمّت اور دوسری طرف فقیہ وقت، لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دونوں کی روحانی توجہات مجھ پر مرکوز ہیں۔ الحمدللہ باپ اور استاد دونوں کی دعاؤں کی برکت سے اس امتحان میں بھی کامیابی کے ساتھ سرخرو ہوا۔

”خیر المدارس“ حقیقتاً میرا اپنا مدرسہ ہے۔ یہاں میں کبھی بھی تقریر کی نیت سے حاضر نہیں ہوا۔ میرے لیے ابا جی کی نسبت امتحان بن گئی ہے۔ یہاں آ کر خطابت کے انداز میں گفتگو کرنے میں مجھے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ میرے لیے اتنی ہی سعادت بہت ہے کہ میں اپنے استاد کی اولاد کا منہ دیکھ لوں، مدرسہ کو دیکھ لوں اور یہ آباد نظر آئے۔ یہاں سے جو قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند ہوتی ہیں وہ میری زندگی میں بھی بلند ہوتی رہیں اور بعد میں بھی۔ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں ہے۔ (خطاب: ”سالانہ جلسہ خیر المدارس ملتان، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ / ۵/ اپریل ۱۹۸۱ء)

© rasailojaraid.com